حدیثِ قرطاس

مؤلفہ
علامہ سید محمود احمد رضوی

ناشر مکتبہ رضوان
دہلی دروازہ لاہور

حدیثِ قرطاس

اس کتابچہ میں واقعہ قرطاس پر محققانہ تبصرہ ہے۔ اور حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اس سلسلہ میں حضرات شیعہ جس قدر اعتراضات والزامات قائم کرتے ہیں ان سب کا مدلل و مکمل و مسکت و دنداں شکن جواب درج ہے۔

مؤلفہ

حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی ایڈیٹر رسالہ رضوان لاہور

ناشر

مکتبہ رضوان اندرون دہلی دروازہ لاہور

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ   نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

حدیثِ قرطاس

برادرانِ اسلام:

واقعہ قرطاس پر غور و فکر کے لئے یہ ضروری ہے کہ پہلے اصل واقعہ کو سمجھ لیا جائے۔ یہاں ہم اس واقعہ سے متعلق دو روایتیں پیش کرتے ہیں۔ جس سے اصل واقعہ کا حال معلوم ہوتا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا حُضِرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَفِی الْبَیْتِ رِجَالٌ فِیْہِ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھَلُمَّ اَکْتُبْ لَکُمْ کِتَابًا لَا تَضِلُّوْا بَعْدَہٗ قَالَ عُمَرُ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ غَلَبَ عَلَیْہِ الْوَجَعُ وَعِنْدَکُمُ الْقُرْآنُ حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ فَاخْتَلَفَ اَھْلُ

جب حضور کی وفات کا وقت قریب آیا تو دولت خانہ نبوی میں لوگ جمع تھے۔ جن میں حضرت عمر بن الخطاب بھی تھے حضور نے فرمایا آؤ تم کو میں ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہوگے تو حضرت عمر نے کہا حضور کو اس وقت بیماری کی تکلیف زیادہ ہے تمہارے پاس قرآن ہے اور قرآن ہمارے واسطے کافی ہے۔ پس گھر والوں نے اختلاف کیا۔ بعض کہتے تھے کہ سامان کتابت حضور کے

البيت فاختصموا من هم من يقول قربوا يكتب لكم النبي صلى الله عليه وسلم كتابا لن تضلوا بعده و منهم من يقول ما قال عمر فلما كثر اللغو والاختلاف عند النبي صلى الله عليه وسلم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم قوموا عني۔

پاس رکھ دو تاکہ وہ تمہارے لئے ایسی تحریر لکھ دیں کہ جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے۔ اور بعض وہی بات کہتے تھے جو حضرت عمر نے کہی تھی۔ پس جب ان کا اختلاف زیادہ ہوا اور باتیں بڑھیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے پاس سے اٹھ جاؤ

(بخاری)

دوسری روایت یوں ہے:

عن سعيد ابن جبير قال قال ابن عباس يوم الخميس وما يوم الخميس اشتد برسول الله صلى الله عليه وسلم وجعه فقال ائتوني بكتاب اكتب لكم كتابا لن تضلوا بعده ابدا فتنازعوا و لا ينبغي عند نبي تنازع فقالوا ما شانه اهجر استفهموه فذهبوا يردون عنه فقال دعوني

سعید ابن جبیر سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس نے کہا جمعرات کا دن اور کیسا جمعرات کا دن کہ اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درد زیادہ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا۔ (سامان کتابت) میرے پاس لاؤ تاکہ تمہارے لئے ایسی تحریر لکھ دوں کہ جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ پس حاضرین نے اختلاف کیا اور کسی پیغمبر کے پاس تنازع مناسب نہیں۔ پس بعض نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ

انا فیہ خیر مما تدعونی الیہ و اوصاھم بثلاث قال اخرجوا الیہود من جزیرۃ العرب و اجیزوا الوفد بنحو ما کنت اجیزھم و سکت عن الثالثۃ او قال نسیتھا۔

(بخاری جلد دوم)

یہلم کی شان کیا ہے کیا جدائی کا وقت قریب آگیا ہے؟ آپ سے دریافت تو کر لو۔ پس وہ معاملہ کتابت کو آپ پر دوبارہ پیش کرنے لگے۔ اس پر آپ نے فرمایا مجھے چھوڑ دو کیوں کہ میں جس حالت میں ہوں (مراقبہ حق میں) وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو اور آپ نے تین باتوں کی وصیت فرمائی — (۱) مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو (۲) وفود کو اسی طرح انعام دیا کرو جیسے میں دیا کرتا ہوں۔ تیسری بات سے سعید ابن جبیر چپ رہے یا ابن جبیر نے تو بیان کر دی اور میں اس کو بھول گیا۔

(بخاری و مسلم)

جو بات لکھوانا چاہتے تھے اس کی کیا حیثیت تھی؟

واقعہ قرطاس کی یہ دو روایتیں اصل واقعہ کی تفصیل و تشریح کے لئے ہم نے نقل کی ہیں۔ اب جو امور اس سلسلہ میں قابل غور و فکر ہیں۔ وہ بیان کئے جاتے ہیں۔ قارئین کرام تعصب سے بالاتر ہو کر بغور مطالعہ فرمائیں۔

واقعہ قرطاس کا یہ پہلو بھی قابل غور ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

جو بات لکھوانا چاہتے تھے اس کی حیثیت کیا تھی؟ کیا وہ کوئی ایسی بات تھی۔ جو آپ کے فرائضِ نبوت سے تھی۔ اور جس کے اظہار کے بغیر دین نامکمل رہ جاتا تھا۔؟ واقعہ قرطاس کی روایات پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے جو بات حضورؐ لکھوانا چاہتے تھے اس کی یہ حیثیت نہ تھی جس کے دلائل یہ ہیں۔

اوّل یہ ایک اصولی بات ہے کہ انبیاء کرام خدا کی طرف سے جن امور کی تبلیغ کے لئے مبعوث ہوں۔ اور جس بات کی تبلیغ ان کا فرضِ نبوت ہو وہ اس میں قطعاً حتماً کسی حال میں کوتاہی نہیں کر سکتے حضورؐ کو حکم تھا:

بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ

اے نبی خدا کی طرف سے جو احکامات آئیں ان کی تبلیغ فرماؤ۔ اگر ایسا نہ کیا تو تم نے اپنا فرضِ نبوت ادا نہ فرمایا۔ اور اللہ لوگوں سے آپ کی حفاظت فرماتا ہے۔ (القرآن)

یہ آیت بتاتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احکام الٰہیہ کی تبلیغ میں کوتاہی نہیں فرما سکتے۔ تو اگر یہ تحریر دین کی نہایت ہی اہم ضروری بات پر مشتمل ہوتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس کو لکھوا دیتے۔ خواہ کوئی کتنی ہی مخالفت کیوں نہ کرتا۔

دوم اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عمرؓ نے سامانِ کتابت پیش نہیں ہونے دیا تو یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ حضور اکرمؐ نے سامان کتابت لانے کا حکم صرف حضرت عمرؓ کو نہیں دیا تھا۔ بلکہ تمام حاضرین کو دیا تھا۔ کیونکہ اِءتونی جمع کا صیغہ ہے جو یہ بتا رہا ہے کہ جیسی اس حکم کی تعمیل کی ذمہ داری حضرت عمرؓ پر آتی تھی۔ اسی قدر ان تمام حاضرین مجلس پر

آتی تھی۔ جس میں حضرت علیؓ بھی شامل تھے۔ بلکہ حضرت علیؓ پر اس کی ذمہ داری سب سے زیادہ آتی ہے۔ کیونکہ بزعم شیعہ یہ تحریر انہیں کی خلافت سے متعلق تھی۔ اور دولت خانہ نبویؐ میں کتابت وحی کا کام بھی انہیں کے سپرد تھا۔ لہٰذا ان کا فرض تھا کہ وہ سامان کتابت حضور نبوی پیش کر دیتے مگر انہوں نے بھی نہ کیا۔ بلکہ حاضرین میں سے کسی نے بھی سامان کتابت پیش نہ کیا۔ البتہ بعض نے حضور سے کئی بار یہ پوچھا کہ ہم سامان کتابت پیش کر دیں؟ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر عدم تعمیلِ حکم کا الزام حضرت عمر پر آتا ہے تو حضرت علیؓ پر بھی آئے گا۔ بلکہ تمام وہ طعن اور الزامات جو شیعہ حضرت عمر پر قائم کرتے ہیں۔ وہ سب کے سب تمام حاضرین مجلس پر بھی قائم ہوں گے۔ اور حضرت علی بھی نہیں بچیں گے

سوم اگر یہ کہا جائے کہ حضرت علیؓ (معاذ اللہ) ایسے بزدل تھے کہ حضرت عمرؓ کی موجودگی میں ایسا نہ کر سکتے تھے تو یہ ظاہر ہے کہ یہ واقعہ جمعرات کے دن کا ہے۔ حضورؐ کا وصال پیر کے دن ہوا۔ حضرت علیؓ اس مدت میں جب کہ حضرت عمرؓ نہ ہوتے تحریر لکھوا لیتے یا حضور ہی لکھوا دیتے

چہارم اور اگر یہ کہا جائے کہ معاذ اللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت عمرؓ سے ڈر گئے تھے۔ اور تحریر نہ لکھوا سکے تو اول تو یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جو اعلیٰ درجہ کا منافق ہو۔ ایک مسلمان تو ایک لمحہ کے لئے بھی یہ تصور نہیں کر سکتا۔ کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم دین کی نہایت ضروری بات کسی سے ڈر کر نہ بیان کریں اور اگر نبی کے متعلق ایسا مان لیا جائے تو پھر تو نبوت ایک کھیل ہو جائے گی اور سارا دین

ہی ناقابلِ اعتبار قرار پا جائے گا کہ نامعلوم نبی اکرم نے (معاذ اللہ) کتنے احکام ربانی خوف کی وجہ سے امت تک نہیں پہنچائے۔ کیا یہ بات کسی کی عقل میں آسکتی ہے کہ وہ رسول جس نے مخالفوں کی بھیڑ میں توحید کا اعلان کیا اور تلواروں کی جھنکاروں میں حق کا اظہار فرمایا اور باطل کا ابطال کیا وہ حضرت عمرؓ سے ڈر جائے کہ اپنی امت کے لئے ایسی ضروری تحریر نہ لکھوائے۔ ان ھذا لشیئٌ عجب۔

پنجم یہ بھی ظاہر ہے کہ حاضرین کا اختلاف کرنا بھی حضور کو دین کی کسی اہم بات کی تبلیغ سے نہیں روک سکتا۔ کیونکہ جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سامانِ کتابت لانے کا حکم فرمایا تو حاضرین میں سے کسی نے بھی حضور سے بحث و تکرار نہیں کی۔ کسی ایک نے بھی حضور سے یہ نہیں کہا کہ آپ تحریر کا ارادہ ملتوی فرمادیں۔ جو بحث و تکرار ہوئی وہ آپس میں ہوئی۔ ایک فریق تحریر لکھوانے کے حق میں تھا اور دوسرے کی رائے یہ تھی کہ حضورؐ اس وقت تکلیف میں ہیں اس لئے تحریر کی تکلیف نہ دی جائے۔ ظاہر ہے کہ اگر حضور چاہتے تو حاضرین کے آپس میں اختلاف کرنے کے باوجود سامانِ کتابت لانے کا حکم دوبارہ فرمادیتے۔ اور اگر حضور تحریر کا دوبارہ ارادہ فرمالیتے تو کس میں طاقت تھی کہ وہ آپ کو روک سکتا۔ مگر حضور نے دوبارہ تحریر کا ارادہ ہی نہیں فرمایا۔ کیا نبی جس بات کی تبلیغ کے لئے مبعوث ہو اس کو محض حاضرین میں سے چند افراد کے اختلاف کرنے کی وجہ سے ترک کرسکتا ہے۔؟ ہرگز نہیں۔

ششم جب حاضرین میں سامانِ کتابت پیش کرنے میں جھگڑا ہوا۔ تو حضرت عمرؓ کے حسبنا کتاب اللہ کہنے کے بعد

حاضرین مجلس میں سے بعض نے معاملہ کتابت کو دوبارہ حضور پر پیش کیا۔ حضور چاہتے تو اس وقت بڑی آسانی سے تحریر لکھوا سکتے تھے۔ مگر آپ نے نہ لکھوائی، بلکہ جواب میں یہ فرمایا۔ :

انا فیہ خیرٌ مِمّا تدعونِی — میں جس حالت (مراقبہ حق) میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو۔

ظاہر ہے کہ انبیاء کرام کے حق میں تبلیغ دین سے بڑھ کر اور کوئی چیز عبادت نہیں ہو سکتی۔ لیکن حضور اس موقع پر اپنی حالت (مراقبہ حق) میں رہنے کو تحریر لکھوانے سے زیادہ بہتر قرار دے رہے ہیں اور فرمارہے ہیں۔ کہ تحریر سے میرے لئے مراقبہ حق بہتر ہے۔ تو اگر یہ تحریر ایسی ضروری ہوتی تو حضور اکرم مراقبہ حق کو بہتر نہ فرماتے بلکہ جب حاضرین نے سامان کتابت پیش کرنے کی دوبارہ اجازت چاہی تھی۔ تو حضور منگا لیتے اور تحریر لکھوا دیتے مگر آپ نے نہیں لکھوائی۔

ہفتم یہ واقعہ جمعرات کے دن کا ہے۔ حضور نے پیر کے دن وصال فرمایا۔ لیکن زندگی پاک کے اس عرصہ میں بھی آپ نے تحریر نہیں لکھوائی حالانکہ ہفتہ کے دن آپ نے حضرت اسامہ کی سرداری سے متعلق خطبہ دیا۔ جب نماز کا وقت آیا تو حضرت صدیق اکبر کو امامت کرنے کا حکم دیا۔ وفات سے قبل اپنے غسل وکفن، تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ کی کیفیت سے اصحاب کو مطلع فرمایا۔ لیکن یہ حیرت کی بات نہ ہوگی؟ کہ اس تمام عرصہ میں باقی امور تو بیان فرمائے جارہے ہیں مگر وہ بات جس کو آپ جمعرات کے دن لکھوانا چاہتے تھے۔ اس کے متعلق اشارۃً کنایۃً

بھی اظہار نہیں فرماتے۔ آخر کیوں۔؟ اگر وہ بات ایسی ہی ضروری تھی تو آپ نے کیوں نہ ارشاد فرمادی۔ اور کیا ایسی ضروری بات کے اظہار میں حضور کوتاہی فرما سکتے تھے؟

ہشتم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ایک لاکھ صحابہ کرام کے مجمع کو خطاب فرماتے ہوئے فرمایا تھا کہ میں نے اللہ کے احکام کامل و مکمل طریقہ پر تم تک پہنچا دیئے۔ تو سب نے یک زبان ہو کر عرض کی تھی کہ ہاں! جس پر آپ نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا تھا کہ الٰہی تو گواہ ہو جا۔ یہ سب لوگ اقرار کر رہے ہیں کہ میں نے اپنے فرض نبوت کو کما حقہٗ ادا کر دیا ہے اور دین کے تمام احکام ان کی طرف پہنچا دیئے ہیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطبہ بھی اس امر کی وضاحت کرتا ہے کہ واقعہ قرطاس کے موقع پر حضور جو بات لکھوانا چاہتے تھے وہ ایسی نہ تھی جو دین کا کوئی نیا حکم ہو یا اس کے بغیر دین نامکمل رہ جائے۔

نہم واقعہ قرطاس سے تین ماہ قبل حجۃ الوداع کے موقع پر آیت الیوم اکملت لکم دینکم نازل ہو چکی تھی۔ یعنی دین کی تکمیل تو تین ماہ قبل ہو چکی تھی اور امت کو گمراہی سے بچانے والے جس قدر امور تھے وہ سب بیان ہو چکے تھے اور آیت الیوم اکملت لکم دینکم نے یہ بتا دیا تھا کہ اب دین کامل و مکمل ہو گیا۔ اب کسی حکم کی تبدیلی۔ منسوخی کمی و بیشی نہیں ہو سکتی۔ یعنی اس کے نزول کے بعد دین کی کوئی ایسی بات باقی نہیں رہی تھی جو کتاب و سنت میں نہ آ گئی ہو۔ اور حضور نے اس کی تبلیغ نہ فرما دی ہو تو اب اگر یہ مانا جائے کہ جو بات حضور لکھوانا چاہتے تھے۔ وہ دین

کی ایسی ضروری بات تھی کہ جس کے بغیر دین مکمل نہیں ہو سکتا تھا۔ تو پھر تکمیل دین کا اعلان صحیح قرار نہیں پائے گا۔ اور آیت الیوم اکملت لکم دینکم کی تکذیب ہو جائے گی۔ لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم کے نزول اور دین کی تکمیل و تبلیغ کے بعد جو بات حضور لکھوانا چاہتے تھے وہ امور بطور تاکید ہی لکھوانا چاہتے تھے اور ان کی حیثیت صرف یہ تھی۔ جیسے کوئی بزرگ کسی جگہ سے یا دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنے متعلقین کو چند اہم امور کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ سو ایسا ہو بھی گیا۔ حضور نے اپنی حیات کے انہیں ایام میں ان امور کو زبانی ارشاد فرما دیا۔ جیسا کہ مذکورہ بالا احادیث سے واضح ہے لیکن یہ تمام امور جو حضور نے ان ایام میں بیان فرمائے وہ وہی ہیں جن کا ذکر کسی نہ کسی طرح پہلے ہی سے کتاب وسنت میں آچکا ہے۔

حضور اکرم نے سامان کتابت پیش کرنے کا حکم کس کو دیا تھا؟

حدیث قرطاس کی کسی روایت میں یہ تصریح نہیں ہے کہ حضور نے حضرت عمرؓ کو سامانِ کتابت لانے کا حکم دیا۔ بخاری و مسلم میں ائتونی کا لفظ آیا ہے۔ جو جمع کا صیغہ ہے اور جس کے مخاطب تمام حاضرین مجلس ہی ہوتے ہیں۔ حضرت علامہ بدر الدین عینی شارح بخاری نے اس موقع پہ یہ بحث کی ہے کہ حضور سامانِ کتابت منگا کر خود اپنے ہاتھ سے تحریر کرنا چاہتے تھے یا کسی اور سے لکھوانا چاہتے تھے۔ علامہ عینی کہتے ہیں کہ حضور کو خود لکھنے کی عادت نہ تھی اور دیگر واقعات بھی یہی بتاتے ہیں کہ جب کسی بات کے لکھنے کا موقع

آیا ہے تو حضورؐ نے کسی دوسرے ہی کو لکھنے کا حکم دیا ہے اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ واقعہ قرطاس کے دن حضور یہ خدمت کس کے سپرد کرنا چاہتے تھے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں۔ اس کے متعلق مسند احمد بن حنبل میں صریح حدیث مل جاتی ہے کہ سامانِ کتابت لانے کا حکم حضور نے حضرت علی کو دیا تھا۔ وہ حدیث یہ ہے۔

عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ قال امرنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اٰتیہ بطبق یکتب فیہ ما لا تضل امتہ من بعدہ	حضرت علی بن ابی طالب سے روایت کی گئی ہے وہ فرماتے ہیں مجھے حضور نے حکم دیا کہ میں آپ کی خدمت میں ایک طشتری لاؤں جس پر آپ ایسی تحریر لکھ دیں جس کے بعد آپ کی امت گمراہ نہ ہوگی۔
فخشیتُ ان تفوتنی نفسہ قال قلت انی احفظ واعی قالَ اوصی بالصلوٰۃِ وَ مَا مَلکت ایمانکم۔	حضرت علی کہتے ہیں مجھے خوف ہوا کہ آپ کی ذات پاک مجھے چھوڑ جائے اس لئے میں نے عرض کی حضور زبانی ارشاد فرمادیں۔ میں حفظ رکھوں گا اور یاد رکھوں گا۔ حضور نے آپ کو نماز اور غلاموں کے بارے میں وصیت فرمائی

مسند احمد جلد ۲ صہ ۸۳

عینی جلد اول صہ ۶۶

مسند احمد بن حنبل کی اس حدیث سے ذیل کے امور پر روشنی پڑتی ہے۔

اوّل حضور علیہ السلام نے سامان کتابت لانے کا حکم دراصل حضرت علی کو دیا تھا۔ ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر وتشریح کرتی ہے۔ لہذا اس حدیث نے بخاری ومسلم کی روایات کے ابہام کو دور کر

دیا۔ اور بتا دیا کہ اس حکم کے اصلی مخاطب صرف حضرت علی تھے۔

دوم یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ واقعہ حضور کی حیات مبارکہ کے آخری لمحات کا نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں حضرت علی نے تصریح کی ہے کہ میں نے سامانِ کتابت اس لئے پیش نہ کیا کہ مجھے خوف ہوا کہ میں سامان کتابت لینے کے لئے جاؤں اور اس عرصہ میں حضور کا وصال ہو جائے اور میں آخری لمحات کی صحبت سے کہیں محروم نہ رہ جاؤں۔

سوم اس واقعہ کے ایک ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس میں بھی من وعن وہی جملے ہیں جو بخاری و مسلم کی روایات میں آتے ہیں یعنی حضرت علی کہتے ہیں۔ مجھے حضور نے حکم دیا کہ میں سامانِ کتابت لاؤں

تاکہ آپ ایسی تحریر لکھ دیں جس کے بعد امت گمراہ نہ ہو گی

یکتب فیہ ما لا تضل امتہ من بعدہ ۔۔۔۔

جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ تحریر وہی تھی جس کا ذکر بخاری و مسلم کی روایات میں آیا ہے۔ بہرحال حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم جو حاضرین مجلس میں سے ایک اہم شخصیت ہیں وہ خود بخاری و مسلم کی روایات کے ابہام کو دور فرما رہے ہیں اور صاف صاف فرما رہے ہیں کہ سامانِ کتابت لانے کا حکم حضور نے مجھے دیا تھا

چہارم اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے۔ کہ جب حضور نے سامانِ کتابت طلب فرمایا اور حاضرین کی دو رائیں ہوئیں۔ ایک فریق کی رائے یہ تھی کہ سامانِ کتابت پیش کر دیا جائے دوسرا فریق یہ رائے رکھتا تھا کہ اس وقت حضور کو تکلیف نہ دی جائے۔ تو حضرت علی بھی اسی جماعت

میں تھے جو یہ رائے رکھتی تھی کہ اس وقت بحضور نبوی سامانِ کتابت نہ پیش کیا جائے۔ اسی لئے تو وہ فرماتے ہیں کہ "میں نے سامان کتابت بحضور نبوی اس لئے پیش نہیں کیا کہ کہیں حضور کے آخری لمحات کی صحبت سے محروم نہ رہ جاؤں" ظاہر ہے کہ اس خیال کی بنا پر حضرت علی کا سامانِ کتابت پیش نہ کرنا حضور کی نافرمانی نہ تھی بلکہ آپ سے والہانہ عشق و محبت تھا۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کی اس بات کو پسند فرمایا اور تحریر کا ارادہ ترک کر دیا۔ پس واضح ہوا کہ حضرت عمر کا حسبنا کتاب اللہ فرمانا دراصل حضرت علی کی تائید میں تھا۔ یعنی جب حضور نے سامانِ کتابت طلب فرمایا تو حضرت علی کی رائے یہ ہوئی کہ اس وقت حضور کو تکلیف نہ دی جائے۔ تو حضرت عمر نے حضرت علی کی تائید کر دی۔ غور کیجئے کہ سامانِ کتابت لانے کا حکم حضرت علی کو ہے اور حضرت علی کی رائے یہ ہے کہ اس وقت حضور کو تحریر کی تکلیف نہ دی جائے۔ گویا واقعہ قرطاس کے اصل ہیرو حضرت علی ہیں اور شیعہ حضرات مجرم بناتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو۔

پنجم اگر یہ بالفرض مان لیا جائے کہ یہ دونوں واقعے الگ الگ مجلس کے ہیں یعنی حضور اکرمؐ نے اپنی حیات کے آخری ایام میں ایک مجلس میں تو حضرت علی کو سامانِ کتابت لانے کا حکم دیا تھا۔ جس کا ذکر مسند احمد بن حنبل کی روایت میں ہے اور دوسری مجلس میں ان لوگوں کو دیا تھا جو مکان میں جمع تھے اور جن میں حضرت علی و عمر بھی تھے تو اگر ان دونوں روایتوں کے واقعہ کو الگ الگ مجلس کا واقعہ بھی مان لیا جائے۔ تو بھی طعن کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

کیونکہ اب صورت یہ بنے گی :

۱۔ حضور نے حاضرین مجلس کو سامان کتابت لانے کا حکم دیا۔ اس مجلس میں حضرت علیؓ و عمرؓ بھی بیٹھے۔ حضرت عمر نے اپنی رائے یہ پیش کی۔ کیونکہ حضور کی طبیعت ناساز ہے اس لئے آپ کو تحریر کی تکلیف نہ دی۔ چنانچہ حاضرین میں سے کسی نے بھی سامان کتابت بحضور نبوی پیش نہیں کیا۔ حتیٰ کہ حضرت علی نے بھی پیش نہ کیا۔ جیسا کہ بخاری و مسلم میں ہے۔

۲۔ مسند کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے سامانِ کتابت لانے کا حکم حضرت علی کو دیا۔ .... مگر حضرت علی نے اپنے مذکورہ بالا خیال کی بنا پر سامانِ کتابت پیش نہیں کیا۔

پس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس خیال سے سامانِ کتابت نہیں پیش کر رہے کہ حضور کو تکلیف ہے اور ایسی حالت میں آپ کو تحریر کی تکلیف دینا مناسب نہیں ہے اور حضرت علی بحضور نبوی اس خیال کی بنا پر سامانِ کتابت پیش نہیں کر رہے کہ بس حجرہ سے باہر جاؤں اور حضور کا وصال ہو جائے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آخری مقدس لمحات کی صحبت سے محروم رہ جاؤں

تو یہ دونوں حضرات بحضور نبوی سامان کتابت پیش نہ کرنے پر متفق ہیں۔ دونوں کے خیال نہایت مقدس ہیں اور حضور سے عشق و محبت پر مشتمل ہیں۔ دونوں مزاج شناس رسول ہیں اور محرم اسرار نبوت ہیں۔ دونوں سمجھ چکے ہیں کہ یہ حکم وجوبی نہیں ہے اور جو کچھ آپ لکھوانا چاہتے ہیں وہ بھی دین کی ضروریات سے نہیں ہے۔ لہٰذا ایسے موقع پر آپ کو تحریر کی تکلیف دینا مناسب نہیں ہے اور دونوں اپنی رائے

بحضور نبوی پیش کرتے ہیں اور حضرت عمرؓ کے ادب و احترام کا تو یہ عالم ہے کہ حضور کو مخاطب نہیں کرتے بلکہ حاضرین کو مخاطب کرکے یہ کہتے ہیں:

حسبنا کتاب اللہ — اللہ کی کتاب کافی ہے

یعنی قرآن پاک نے آج سے تین ماہ قبل اتمام دین کا اعلان کر دیا ہے۔ اور حضور اس وقت تکلیف میں ہیں کوئی نیا حکم تو تحریر فرمانا نہیں چاہتے۔ لہٰذا آپ کو کیوں تکلیف دی جائے۔ سبحان اللہ عجب یہ محرمان اسرار نبوی حضور کے اصل حکم کی نوعیت و حقیقت کو سمجھ کر یہ عرض کرتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس رائے سے اتفاق فرماتے ہیں اور جب حاضرین دوبارہ معاملہ کتابت کو آپ پر پیش کرتے ہیں تو ان دونوں جلیل القدر صحابیوں حضرت عمر و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے سے اپنی پسندیدگی کا اظہار یوں فرماتے ہیں۔ کہ:

میں جس حالت (مراقبہ حق) میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے۔
جس کی طرف (تحریر کی طرف) تم مجھے بلاتے ہو۔

اللہ اکبر۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے جاں نثاروں کی اس پرخلوص رائے کو پسند کرتے ہیں۔ اور تحریر کا ارادہ ملتوی فرما کر انہیں امور کو زبانی ارشاد فرما دیتے ہیں۔ لیکن شیعہ حضرات اس حقیقت کے ہوتے ہوئے بھی زبان طعن دراز کرتے ہیں۔

فیا للعجب

حضور اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا تحریر کرانا چاہتے تھے؟

یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ :

۱۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن امور کے لکھوانے کے لیے سامان کتابت طلب فرمایا تھا وہ کیا تھے ؟

۲۔ اور جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حسبنا کتاب اللہ کہا تو اس کے بعد بھی حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان امور کو لکھوایا یا زبانی ارشاد فرمایا۔ یا نہیں ؟

تو صحیح روایتوں سے بلکہ خود اسی روایت سے جس سے واقعہ قرطاس مذکور ہے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ جن امور کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکھوانا چاہتے تھے۔ وہ آپ نے زبانی ارشاد فرما دیئے۔ چنانچہ جس روایت میں واقعہ قرطاس مذکور ہے اسی میں یہ بھی ہے۔ کہ پھر آپ نے :

وَاوصاهم بثلاث قال اَخرِجوا المشرکین من جزیرۃِ العرب وَ اجیزوا الوفد بنحو ما کنتُ اجیزهم وسکت عن الثالثۃِ او قال نسیتُها	تین باتوں کی وصیت فرمائی۔ اول مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔ وفود کو اسی طرح انعام دو۔ جس طرح میں دیا کرتا تھا۔ تیسری وصیت سے سعید ابن جبیر چپ رہے۔ یا انہوں نے تو بیان کردی مگر میں بھول گیا۔

(مصری) بخاری جلد ۳ صـ۶۵

لیکن یہ تیسری وصیت جس کو راوی حدیث بھول گئے ہیں۔ وہ موطا امام مالک بلکہ بلکہ بخاری مصری جلد ۳ صـ۶۶ سے معلوم ہو جاتی ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں :

کان اٰخِرُ ما تکلم به رسولُ	حضور نے اپنی زندگیِ پاک میں
اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ	سب سے آخری کلام یہ فرمایا کہ اللہ
وسلم ان قال قاتل اللّٰہُ	تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو قتل کرے۔
الیہودَ وَالنَّصارٰی اتخذو	انہوں نے انبیاء کرام کی قبروں کو سجدہ
قبورَ انبیاءھم مساجدَ	گاہ بنا لیا ہے۔

تو جب وہ امور خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زبانی ارشاد فرما دیے تو اب حضرت عمرؓ پر یہ الزام کیسے قائم ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ایک ایسی ضروری بات نہیں لکھنے دی جو امت کو گمراہی سے بچاتی

پس جب واقعہ قرطاس کی روایات میں یہ تصریح ہے کہ جن امور کے لکھوانے کے لئے حضور اکرم نے دوات و قلم طلب فرمایا تھا۔ وہی امور آپ نے زبانی بیان فرما دیئے۔ تو ایسی صورت میں جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کسی طعن کی گنجائش ہی نہیں بنتی

شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور حضرت علی کی خلافت کے متعلق تحریر لکھوانا چاہتے تھے۔ حالانکہ اس کی تصریح کسی صحیح و معتبر روایت میں نہیں ملتی۔ لہٰذا یہ محض ان کا ایک دعویٰ ہے جو بلا دلیل ہے البتہ بخاری و مسلم کی حدیثوں سے یہ ضرور واضح ہوتا ہے کہ حضور حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت کے متعلق تحریر لکھوانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ حضور نے اپنے مرضِ وفات میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے فرمایا :

اُدعی لی اَبا بکرٍ وَ اَخاکِ حتی	اپنے باپ اور بھائی کو میرے پاس

اکتب کتابًا فانی اخاف ان یتمنی متمن و یقول قائل انا ولا ویابی اللہ والمومنون الا ابابکر

بخاری ومسلم
(مشکوٰۃ باب مناقب ابوبکرؓ)

بلاؤ تا کہ میں ایک تحریر لکھ دوں۔ کیونکہ مجھے خوف ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے اور کہنے والا کہے۔ کہ میں خلافت کا مستحق ہوں)الا اللہ تعالیٰ اور مومنین دونوں انکار کرتے ہیں ابوبکر کے سوا کسی دوسرے شخص کی خلافت سے۔

دیکھئے کتنے واضح اور صاف لفظوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت بلا فصل کے متعلق تحریر لکھوانے کا ارادہ فرمایا۔ لیکن پھر اپنا یہ ارادہ ملتوی فرما دیا اور بھی بتا دیا کہ میں اس لئے تحریر کے ارادہ کو ملتوی کرتا ہوں کہ صدیق اکبر رضؓ بہر صورت خلیفہ ہوں گے اور میرے بعد مسلمان انہیں خلیفہ بنائیں گے۔ اس کے خلاف ہوگا ہی نہیں۔ لہٰذا یہ صاف و صریح ارشاد قرینہ ہے اس بات کا کہ یہ جو حضور نے سامان کتابت طلب فرمایا تھا وہ بھی بنا بریں احتیاط حضرت صدیق اکبر ہی کی خلافت کی تصریح کے لئے تھا۔ اسی لئے حضور نے آخری وقت میں صدیق اکبر کو نماز کا امام بنا کر اپنے اس قول کو عملی رنگ میں پیش کر دیا۔ اور حضور کے وصال کے بعد جب خلیفہ کے انتخاب کا مرحلہ آیا تو صحابہ نے یہ کہہ کر کہ جب حضور نے وفات پائی تو ہم نے اپنے معاملہ میں غور کیا۔ ہم نے دیکھا کہ حضور نے نماز میں حضرت ابوبکر رضؓ کو امام بنایا تھا۔ اس لئے ہم نے اپنی دنیا کے لئے انہی کو پسند کیا۔

من رضیہ رسول اللہ صلی ... جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لِدِینِنَا ط ہمارے دین کے لئے پسند فرمایا۔

(طبقات ابن سعد جزء ثالث قسم اول)

لہذا صحابہ کرام نے مذکورہ بالا جملے کہہ کر حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور حضور اکرمؐ کی یہ پیشگوئی سچی ہو گئی کہ:

"صدیق اکبر کے سوا کسی اور کے خلیفہ ہونے

کو اللہ تعالیٰ اور مومنین ناپسند کرتے ہیں۔" (بخاری)

غرضکہ متعدد صحیح حدیثیں اہل سنت وجماعت کے اس دعویٰ کی تائید کرتی ہیں کہ حضورؐ نے سامانِ کتابت حضرت صدیقِ اکبر کی خلافت کی تصریح کے لئے منگایا تھا۔

وحیٔ خداوندی یا اجتہادِ نبوی

اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر لکھوانے کا ارادہ وحی خداوندی کے ماتحت فرمایا تھا یا اپنے اجتہاد کے ماتحت میرے نزدیک صحیح یہی ہے کہ حضورؐ نے تحریر لکھوانے کا ارادہ اپنے اجتہاد کے ماتحت فرمایا تھا۔ کیونکہ اگر آپ کا یہ ارادہ وحی الٰہی کے ماتحت ہوتا تو تحریر لکھوانا آپ کا فرضِ نبوت قرار پاتا۔ اور نبی اپنے فرضِ نبوت میں کوتاہی نہیں کر سکتا۔ لہٰذا آپ حکمِ الٰہی کے ماتحت بہرصورت تحریر لکھواتے ـــــ رہے حاضرین یا حضرت عمرؓ۔ تو حضورؐ ان کو صاف صاف فرما سکتے تھے کہ میری علالت اس تحریر کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ تم میری ناسازیٔ طبع کا خیال کرکے تحریر نہ لکھوانے کا مشورہ دے رہے ہو۔ مگر یہ تحریر تو حکم خداوندی ہے یہ بہرصورت لکھوائی جائے گی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ حضورؐ نے تحریر نہ لکھوائی لہٰذا

یہ ماننا پڑے گا کہ حضور کا تحریر لکھوانے کا ارادہ فرمانا اجتہاد پر مبنی ہے۔ اور پھر اس کو ملتوی فرمادینا بھی اجتہاد ہی پر مبنی ہے۔ یعنی پھر آپ نے مصلحت اس بات میں دیکھی کہ تحریر نہ لکھوائی جائے۔ اس لئے نہیں لکھوائی۔ اور ان امور کو حضور نے زبانی بیان فرمادیا۔ جیسا کہ واقعہ قرطاس کی مذکورہ بالا روایات سے ظاہر ہے۔ نیز اسی سے حاضرین میں سے ان افراد کی فضیلت بھی نکلتی ہے جن کی رائے کو حضور نے پسند فرمایا اور ان کے یہ عرض کرنے پر کہ۔

"حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت
تکلیف میں ہیں لہذا تحریر لکھوانے کی آپ
کو تکلیف کیوں دی جائے"

حضور خاموش رہے آپ کا خاموش رہنا آپ کی رضامندی اور خوشنودی کی دلیل ہے ـــــ اور اگر یہ مانا جائے کہ حضور نے تحریر لکھوانے کا ارادہ وحی الٰہی کے ماتحت فرمایا تھا۔ تو پھر یہ حقیقت ہے۔ کہ ایک عمر نہیں بلکہ کروڑوں عمر بھی حَسبُنا کتابُ اللہ کہتے۔ آپ بہر صورت تحریر لکھواتے۔ لیکن حال یہ ہے کہ حضور نے تحریر نہیں لکھوائی۔ لہذا اب یہ ماننا پڑے گا کہ حضور نے حاضرین کے اختلاف کے بعد تحریر نہ لکھوانے کا جو ارادہ فرمایا تھا۔ وہ بھی وحی الٰہی کے ماتحت تھا۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا

"تحریر لکھوانے کا ارادہ فرمانا اور پھر
اس کو ملتوی فرمادینا دونوں وحی الٰہی پر
مبنی تھے"

چنانچہ حاضرین کے اختلاف کے بعد حضور کا خاموش رہنا اور تحریر نہ لکھوانا اس امر کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔ کہ وحی دوبارہ آئی اگر وحی نہ آتی

تو حضور ہرگز ہرگز خاموشی اختیار نہ فرماتے۔ چنانچہ ہمارے شارحین حدیث نے ان دونوں باتوں کو لیا ہے۔ عینی و فتح الباری کے دو حوالے اس وقت پیش کئے جا رہے ہیں جو یہ ہیں :

ثم ظهر للنبی صلی اللہ علیه وسلم ان المصلحة ترکه او اوحی الیه	پھر حضور کے لئے یہ ظاہر ہو گیا کہ مصلحت نہ لکھنے میں ہے یا نہ لکھنے کے بارے میں وحی آ گئی۔

عینی جلد ۲ صـ۱۷۱

حضرت علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

وعزمه صلی اللہ علیه وسلم کان بالوحی واما بالاجتهاد وکذالك ترکه ان کان بالوحی فبالوحی والا فبالاجتهاد	اور لکھنے کا ارادہ اگر وحی سے تھا تو ترک بھی وحی سے تھا اور اگر لکھنے کا ارادہ اجتہاد سے تھا تو ترک بھی اجتہاد سے تھا۔

فتح الباری جلد ۸ صـ۱۰۱

پھر یہ بات صرف سنی شارحین ہی نے تسلیم نہیں کی بلکہ شیعہ علما نے بھی وحی خداوندی کا آنا تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ شیعوں کی نہایت معتبر اور مشہور کتاب ملک النجات جلد اول صـ۲۲۷ میں ہے :

واما سکونه علیه السلام بعد التنازع ما کان من عنده بل کان بوحی کما بین فی مقامه۔	اور حضور کا حاضرین کے اختلاف کے بعد خاموش رہنا (یعنی تحریر نہ لکھوانا) اپنی طرف سے نہ تھا۔ بلکہ وحی خداوندی کے ماتحت تھا۔ جیسا کہ اپنے مقام پر خوب واضح ہے۔

یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامت ہے۔ کہ ایک کٹر شیعی عالم سے وہ بات لکھوا دی۔ جس نے تمام الزامات کا صفایا کر دیا۔ پس معلوم ہوا کہ چاہے حضور کا تحریر لکھوانے کا ارادہ اپنے اجتہاد سے ہو یا وحی الٰہی کے ماتحت ہو حضور کا خاموش رہنا اور تحریر نہ لکھوانا بھی اللہ کے حکم سے تھا۔ اور عجیب بات یہ ہے تو اس سے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شان اور بڑھ گئی۔ کہ یہ وہ بزرگ ہستی ہیں کہ جن کی رائے کو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا اور ان کی رائے سے موافقت کی اور وحی الٰہی نے بھی حضرت عمرؓ کی تائید فرمائی۔ اسی کو اہل سنت وجماعت کی اصطلاح میں موافقت عمر سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یعنی وہ مقامات جہاں حضرت عمرؓ کی رائے سے اللہ تعالیٰ نے موافقت فرمائی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ شارحین حدیث نے واقعہ قرطاس کو بھی موافقات عمر سے شمار کیا ہے۔ دیکھو فتح الباری جلد اول صفحہ ۱۶۹۔ اور حضرت عمر کے مشورے دینا کوئی نئی چیز نہیں ہے انہوں نے اس قسم کے مشورے متعدد مقامات پر دیئے ہیں۔ مثلاً ازواج مطہرات کے پردہ کرانے اور مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنانے کا مشورہ۔ سبحان اللہ یہ سب مشورے شریعت مطہرہ میں قبول ہوئے پھر اگر یہ بھی ایک مشورہ حضرت عمر نے دیا اور بارگاہِ نبوی میں شرف قبول پا گیا تو قابل اعتراض کیوں ہوا؟

لفظ ھجر کی تحقیق اور یہ لفظ کس نے کہا

واقعہ قرطاس سے حضرات شیعہ حضرت عمر پر جو الزامات قائم کرتے ہیں ان میں سب سے اہم اور سب سے شدید الزام ان کا یہ ہے کہ جب

حضور نے سامان کتابت لانے کا حکم دیا تو حضرت عمر نے کہا آھَجَرَ۔ شیعہ کہتے ہیں کہ ہجر کے معنیٰ یہاں صرف ہذیان کے ہیں اور یہ لفظ حضرت عمرؓ نے رسول کریمؐ کی شان میں کہہ کر آپ کی سخت و شدید توہین کی ہے۔ جواب یہ ہے کہ اول تو یہ ہی غلط اور افترا محض ہے کہ لفظ ہجر حضرت عمر نے کہا۔ بخاری میں یہ حدیث سات جگہ آئی ہے۔ مگر کہیں بھی یہ لفظ حضرت عمر سے منقول نہیں۔ بلکہ قالُوْا جمع کے صیغہ کے ساتھ ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ "یہ لفظ لوگوں نے کہا" مگر کس نے کہا؟ کسی بھی صحیح و معتبر روایت میں اس کا نام مذکور نہیں ہے۔ البتہ شارحین نے اپنے قیاس سے کام لیا ہے۔ کسی نے لکھا یہ قول اس جماعت کا ہے جو تحریر لکھوانے کے حق میں تھی اور کسی نے لکھا کہ کچھ لوگ نومسلم تھے ان کا یہ مقولہ ہے غرض کہ حضرت عمر کی طرف اس قول کو منسوب کرنا بالکل بے اصل و بے بنیاد ہے۔ چنانچہ ایک عرصہ سے مجتہدین شیعہ اس تلاش میں سرگرداں ہیں۔ کہ کوئی ایسی روایت مل جائے جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ یہ لفظ حضرت عمرؓ کا مقولہ تھا۔ مگر نہیں ملی اور نہ انشاء اللہ العزیز قیامت تک یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عمر نے لفظ ہَجَرَ کہا تھا۔ لہٰذا جب حضرت عمر کا لفظ ہجر کہنا ثابت ہی نہیں تو ان پر الزام کیسا؟

دوم

هَجَرَ یَهْجُرُ باب نَصَرَ یَنْصُرُ کے وزن پر لازم و متعدی دونوں طرح مستعمل ہے۔

۱۔ جب یہ متعدی استعمال ہو تو ھجران سے مشتق ہوگا۔ اور اس کے معنے کسی چیز کے چھوڑ دینے کے ہوں گے۔

۲۔ اور جب یہ لفظ لازم استعمال ہو تو اس وقت اس کے معنیٰ بلا ارادہ بات کہنے کے ہوں گے۔ خواہ نیند میں آدمی بات کرے۔ یا غلبہ مرض کی وجہ سے بے

اختیار زبان سے جملے نکالے جس کو ہذیان کہتے ہیں

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہاں لفظ ہجر کے کیا معنیٰ ہیں اور کون سے معنیٰ یہاں اولیٰ ہیں تو حدیث پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ یہاں ہجر کے معنیٰ ہذیان کے نہیں۔ بلکہ جدائی کے ہیں۔ چنانچہ یہ لفظ بمعنیٰ جدائی قرآن مجید میں بھی استعمال ہوا ہے۔ وَاهجرهم هجراً جميلاً اور عربی اشعار میں تو اس کثرت سے یہ لفظ جدائی اور فراق کے معنے میں آیا ہے کہ دوسرے معنیٰ کی طرف ذہن منتقل ہی نہیں ہوتا۔ نیز احادیث میں بھی لفظ ہجر بجدائی کے معنیٰ میں آیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ پر جب منافقین نے تہمت لگائی تو حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

وَاللہ لقد هجرني القريب	خدا کی قسم مجھے قریب و بعید سب
وَالبعيد حتى هَجَرَتني الهرة	نے چھوڑ دیا حتیٰ کہ (میری بالتو بلی)
حیاة الحیوان ج ۲ ص ۲۶۳	نے بھی مجھ سے کنارہ کشی کر لی۔

بخاری شریف جلد ۲ ص ۷۸۷ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت عائشہ رض سے فرمایا کہ جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو یا ناراض ہوتی ہو تو مجھے معلوم ہو جاتا ہے حضرت عائشہ نے عرض کی۔ وہ کیسے حضور نے فرمایا کہ جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو تو قسم اس طرح کھاتی ہو۔ لَا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ —— اور جب تم ناراض ہوتی ہو تو قسم ان لفظوں میں کھاتی ہو لَا وَرَبِّ اِبْرَاهِيْمَ جب حضور نے یہ فرمایا تو حضرت عائشہ نے عرض کی:

قلت اجل واللہ یا رسول اللہ	میں نے کہا ہاں خدا کی قسم یا رسول اللہ
ما اهجر الا اسمك	(ناراضگی کی حالت میں) میں صرف آپ
(بخاری شریف)	کا نام چھوڑ دیتی ہوں۔ یعنی آپ کو تو

چھوڑنا ممکن ہی نہیں ہے

دیکھیئے یہاں بھی مَا اهجر کا لفظ چھوڑنے کے معنیٰ میں آیا ہے۔ غرض کہ اس قسم کی سینکڑوں مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ جس سے واضح ہوتا ہے۔ کہ ہجر کے معنیٰ چھوڑنے کے بھی آتے ہیں اور صراح وغیرہ کتب لغت میں ہے ۔ هَجَرَ هجران جدائی کردن از نَصَرَ اسی لئے حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا کہ اهجر فعل ماضی من الهجر بفتح الھا وسکون الجیم وَ المفعول محذوف ای الحیاۃ اور لغات حدیث کے امام صاحب مجمع البحار نے لکھا ان معناہ هجر رسول اللہ من الهجر ضد الوصل یعنی هجر کے معنے یہاں جدائی کے ہیں۔

لہذا اهجر استفهموه کا ترجمہ یہ ہوا کہ حضور سے پوچھو تو کیا جدائی کا وقت قریب آگیا ہے۔؟ یعنی جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر لکھوانے کا ارادہ فرمایا اور چونکہ یہ تحریر اسی مرض میں لکھوانی چاہی جس میں آپ کا وصال ہوا تو حالات کو دیکھ کر صحابہ کے قلوب پر ایک بجلی سی گری اور ان میں سے کسی نے کہا اهجر استفهموہ۔ حضور سے دریافت تو کر لو ۔ کیا جدائی اور فراق کا وقت قریب آگیا ہے ۔(کہ حضور آخری وصیت لکھوانا چاہتے ہیں) چنانچہ حاضرین میں سے کسی کا یہ کہنا کہ "استفهموه" — (حضور سے پوچھو تو ؟) یہ پوچھنے کا مضمون صاف اس امر پر قرینہ ہے کہ یہاں ہجر۔ بمعنیٰ ہذیان نہیں ہے۔ کیونکہ جس کو ہذیان ہو جائے اس سے پوچھنا کیسا ؟

سوم : اگر حضرات شیعہ یہ اصرار کریں کہ لفظ ہجر کے معنیٰ یہاں ضرور ہذیان ہی کے ہیں تو یہ ظاہر ہے کہ یہ لفظ ہمزۂ استفہام کیساتھ مروی ہے چنانچہ بخاری کی چھ روایتوں میں ہمزہ کے ساتھ ہے یعنی اسطرح ہے

فَقَالُوا اَھَجَرَ رَسُولُ اللہِ

فقالوا مَالَہ اھَجَرَ رَسُولُ اللہ

فقالوا ما شانہٗ اھَجَرَ استفھموہُ

دیکھئے ہر جگہ ہجر کا لفظ ہمزہ کے ساتھ ہے صرف ایک روایت میں بے ہمزہ ہے مگر حسب قاعدہ اصول حدیث جو روایت بے ہمزہ ہے اس میں بھی ہمزہ مانا جائے گا۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح اشعۃ اللمعات جلد ۴ صفحہ ۶۶۲ پر فرماتے ہیں :

"اگر در بعضے روایات حرف استفہام مذکور نہ باشد مقدر است"۔ اگر کسی روایت میں حرف استفہام نہ مذکور ہو تو وہاں مقدر مانا جائیگا۔

علامہ شہاب خفاجی نسیم الریاض جلد ۴ صفحہ ۲۳۰ میں ارشاد فرماتے ہیں:

والروایات کلھا تدل علی انہ استفھام ملحوظ او مقدر۔ کہ تمام روایات اس پر دال ہیں کہ یہ جملہ استفہامیہ ہے ملحوظ یا مقدر

علامہ نووی مسلم صفحہ ۴۳ جلد ۲ مجتبائی میں لکھا اھَجَرَ علی الاستفھام وھو اصح۔ علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں فرمایا الراجح فیہ اثبات ھمزۃ الاستفھام۔ غرض کہ اہل سنت شارحین نے تصریح کی ہے کہ جس روایت میں ہمزہ نہیں ہے وہاں بھی ہمزہ مانا جائے گا۔ تو اگر لفظ ھَجَرَ ہذیان کے معنیٰ میں بھی لے لیا جائے تو بھی کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔ کیونکہ اس لفظ کے ساتھ ہمزہ بھی ہے۔ جو استفہام انکاری ہے۔ اور اَھجر کا معنیٰ یہ ہے کہ "جو لوگ تحریر لکھوانے کے حق میں تھے۔ انہوں نے دوسرے فریق کا قول رد کرتے ہوئے یہ کہا کہ حکم نبوی کی تعمیل میں توقف کیوں کرتے ہو؟ کیا حضور کا یہ ارشاد ہذیان ہے؟ یعنی چونکہ آپ کی زبان سے ہذیان صادر نہیں ہو سکتا

اس بحضور نبوی سامان کتابت پیش کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔

غرضکہ اگر انصاف و دیانت کے ساتھ غور کیا جائے تو حضورؐ کو ہذیان گو کہنے کا الزام حضرت عمرؓ تو کیا حاضرین مجلس میں سے کسی پہ قائم ہی نہیں ہوتا۔ لیکن ہٹ دھرمی کا کیا علاج ہے؟

شیعی اعتراضات کے مختصر جوابات

مذکورہ بالا توضیحات سے واقعہ قرطاس کا ہر پہلو صاف ہو گیا مگر اب ہم مزید وضاحت کے لئے شیعہ اعتراضات کے مختصر جوابات تحریر کئے دیتے ہیں۔

اعتراض اول : حضرت عمرؓ نے لفظ ہجر کہا اور حضورؐ کو ہذیان گو قرار دیا ؟

جواب : کسی بھی صحیح و معتبر روایت سے یہ ثابت نہیں کہ لفظ ہجر حضرت عمرؓ نے کہا تھا۔ بخاری میں سات جگہ یہ روایت آئی ہے مگر کہیں بھی یہ لفظ حضرت عمرؓ سے منقول نہیں ہیں۔ اور حضرات شیعہ قیامت تک یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ یہ لفظ حضرت عمرؓ نے کہا تھا۔ جب یہ لفظ حضرت عمرؓ کا مقولہ ہی نہیں تو پھر ان پر الزام کیسا ؟

اعتراض دوم : لفظ ہجر کے معنیٰ یہاں صرف ہذیان ہے۔ حضورؐ کو ہذیان گو کہنا آپ کی سخت توہین ہے ؟

جواب : لفظ ہجر یہاں ہذیان کے معنیٰ میں نہیں بلکہ جدائی کے معنیٰ میں ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تحریر لکھوانے کا ارادہ فرمایا۔ جو

آخری وقت میں بھی تو قلوب صحابہ پر ایک بجلی سی گری اور ان میں سے کسی نے کہا "اھجرا ستفھموہ" کیا جدائی کا وقت قریب آگیا ہے حضور سے پوچھو تو ؟ یہ پوچھنے کا مضمون صاف قرینہ ہے کہ یہاں ہجر ہذیان کے معنے میں نہیں ہے۔ کیونکہ جس کو ہذیان ہو جائے اس سے پوچھنا کیسا ؟

ثانیاً - اگر یہ لفظ یہاں بمعنی ہذیان بھی ہو تو کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔ کیونکہ ہمزہ استفہام انکاری موجود ہے لہٰذا حضور کو ہذیان گو کہنے کا الزام حضرت عمر تو کیا حاضرین میں سے کسی بھی صحابی پر قائم نہیں ہوتا۔

اعتراض سوم : حضرت عمرؓ نے ایسی ضروری تحریر نہ لکھنے دی جو امت کو گمراہی سے بچاتی ؟

جواب : تحریر نہ لکھوانے کا الزام حضرت عمرؓ پر ہرگز ہرگز نہیں آ سکتا۔ کیونکہ سامانِ کتابت لانے کا حکم تو حضور نے حضرت علیؓ کو دیا تھا۔ جیسا کہ ہم نے ثابت کیا ہے۔ یہ عجیب بات ہے۔ کہ حکم تو حضرت علی کو ہو اور الزام قائم کیا جائے حضرت عمرؓ پر۔

دوم : بخاری شریف میں لفظ ائتونی جمع کا صیغہ آیا ہے جس کے مخاطب صرف حضرت عمرؓ نہیں ہیں بلکہ تمام حاضرین مجلس ہیں۔ لہٰذا اگر عدم تعمیل کا الزام حضرت عمرؓ پر قائم کیا جائے گا۔ تو حضرت علیؓ پر بھی یہی الزام قائم ہوگا۔

سوم۔ اگر یہ تحریر ایسی ہی ضروری تھی تو اس واقعہ کے پانچ دن بعد تک حضور حیات رہے۔ آپ اس مدت میں جب حضرت عمرؓ نہ ہوتے تحریر لکھوا دیتے۔ یا حضرت علیؓ پر لازم تھا کہ وہ لکھوا لیتے۔ رہے حضرت عمر تو اگر بالفرض وہ روک رہے تھے تو ان کا روکنا چیز ہی کیا تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر کی وجہ سے ایک امر خداوندی کی تبلیغ سے کیسے باز رہ سکتے تھے

چہارم۔ واقعہ قرطاس سے تین ماہ قبل دین کے اتمام کا اعلان قرآن نے کر دیا تھا۔ اور امت کو گمراہی سے بچانے والے جتنے امور تھے وہ سب بیان ہو چکے تھے۔ ایسی صورت میں اگر یہ مانا جائے کہ ابھی کچھ ایسے امور باقی رہ گئے تھے۔ جن کی تبلیغ نہ ہوئی تھی تو پھر تو تکمیل دین کا قرآنی اعلان غلط ہو جائے گا۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ حضور کا یہ حکم وجوبی نہ تھا۔ اور جو امور حضور لکھوانا چاہتے تھے وہ ایسے نہ تھے۔ جنکے بغیر دین ناقص رہ جاتا اور نہ وہ ایسے بنیادی احکام تھے کہ جن پر امت کی دین میں ہدایت یا گمراہی موقوف تھی۔

اعتراض چہارم : حضرت عمر نے حضور کو مخاطب کر کے حسبنا کتاب اللہ کیوں کہا۔ آخر ایسا کہنے کا موقع ہی کیا تھا۔

جواب : یہ خالص جھوٹ اور افترا محض ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور کو مخاطب بنا کر یہ جملہ نہیں کہا۔ بلکہ حاضرین مجلس کو مخاطب کیا تھا۔ چنانچہ حدیث قرطاس میں عندکم

القرآن حسبنا کتاب اللہ کے صاف و صریح جملے موجود ہیں اور بعد کے الفرآن کا جملہ صاف بتا رہا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حاضرین مجلس کو مخاطب کیا تھا حضور کو نہیں

۲۔ حضرت عمر کا حسبنا کتاب اللہ کہنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت و عقیدت پر مبنی تھا۔ کیونکہ جب وہ سمجھ گئے کہ حضور کا یہ ارشاد وجوبی نہیں تھے۔ اور جو امور آپ لکھوانا چاہتے ہیں وہ بھی کوئی نئے احکام یا ایسے احکام نہیں جن پر دین کی تکمیل موقوف ہو اور جن کے اظہار کے بغیر دین نامکمل رہ جائے۔ تو ایسی صورت میں ان کے عشق و محبت نے یہ گوارا نہیں کیا۔ کہ ایسی تحریر کے لئے حضور کو اس مرض کی شدت میں تکلیف دیں۔ اس لئے انہوں نے حسبنا کتاب اللہ کہہ کر اس بات کا اظہار کیا۔ کہ قرآن نے دین کے کامل و مکمل ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔ لہذا حضور کو ایسے وقت میں کیوں تکلیف دی جائے۔ چنانچہ حضرت عمر کی زبان سے جب عشق و محبت کے تقاضوں کے ماتحت یہ جملے صادر ہوئے تو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت عمر سے موافقت فرمائی اور قلم دوات منگانے کا ارادہ ترک فرما دیا۔ لہذا حضرت عمر کا حسبنا کتاب اللہ کہنا تو ان کے علم و فراست کی دلیل ہوا۔ حضور کے حکم کو رد کرنا نہ ہوا۔ بلکہ آپ کی

تعظیم تو نہیں ہوئی۔ اور یہ ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ کہ قلم دوات لانے کا حکم تو دراصل حضرت علی کو تھا۔ اور حضرت عمر نے تو یہ جملے حضرت علی کی تائید میں کہے تھے۔ کیونکہ ان کی رائے بھی یہی تھی کہ اس وقت حضور کو تحریر کی تکلیف نہ دی جائے (جیساکہ اوپر تفصیل سے بیان ہوا) پس ایسی صورت میں حضرت عمر پر کیا الزام؟

اعتراض پنجم : حضرت عمر نے حسبنا کتاب اللہ کہہ کر حدیث نبوی کے دینی حجت ہونے سے تو انکار کر دیا؟

جواب : اول تو حسبنا کتاب اللہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ حدیث رسول کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ایک کے ذکر سے دوسرے کی نفی لازم نہیں آتی ورنہ آیت حسبنا اللہ و نعم الوکیل کا یہ مطلب ہونا چاہیئے۔ کہ رسول کی ضرورت نہیں ہے پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ جو شخص قرآن پر ایمان رکھتا ہے۔ وہ یقیناً حدیث رسول کی حجیت کا بھی قائل ہوگا۔ مومن بالقرآن کے لئے تو یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ حدیث رسول کا انکار کر دے۔

پس حسبنا کتاب اللہ کے لفظ میں کتاب اللہ اور سنت نبوی دونوں مراد لئے جائیں گے۔

ثانیاً۔ حضرت عمر نے خصوصیت کے ساتھ کتاب اللہ کا نام دراصل آیہ الیوم اکملت لکم دینکم کی طرف اشارہ کرنے کے لئے لیا تھا بمطلب ان کا اس جملہ سے یہ

تھا کہ حضورؐ جو امور اس وقت لکھوانا چاہتے ہیں وہ دین کی ضروریات سے نہیں ہیں کیونکہ قرآن نے دین کے کامل و مکمل ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔ لہٰذا اس وقت حضور کو تحریر کی زحمت کیوں دی جائے؟ چنانچہ یہ بات ظاہر ہے کہ جو امور حضور تحریر کرانا چاہتے تھے اگر یہ مان لیا جائے کہ وہ ایسے احکام تھے جن کے اظہار کے بغیر دین نامکمل رہ جاتا۔ یا وہ دین کے ایسے بنیادی احکام تھے جو پہلے بیان نہیں ہوئے تھے اور ان کا بیان کرنا حضور کا فرض نبوت تھا یا وہ ایسے امور تھے جو اس سے قبل کے کسی حکم کے منسوخ کرنے کے لئے تھے۔ تو اس سے دو خرابیاں لازم آئیں گی۔ ایک تو آیہ الیومَ اکملت لکم دینکم کی تکذیب ہوگی۔ دوسرے حضور پر یہ الزام قائم ہوگا کہ معاذ اللہ آپ نے بلّغ ما انزل الیک پر عمل نہ کیا۔

اعتراض ششم : حضور کے سامنے آواز بلند کرنا حرام ہے اور قصہ قرطاس میں تو حضرت عمر ہمراہیوں کے ساتھ جھگڑے اور چیخ و پکار تک نوبت پہنچ گئی تو کیا یہ حبط عمل کیلئے کافی نہ ہوا؟

جواب : حضور کے آداب میں سے قرآن نے یہ بتایا ہے کہ لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہٗ بالقول الخ جس کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ حضور کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرو اور نہ آپ کے ساتھ ایسے زور سے بات کرو جیسے تم آپس میں بولا کرتے ہو۔ لیکن اس مجلس میں ان دونوں

لیے جائیں گے۔ اور قیام کا ترک کے معنیٰ میں آنا اہل علم پر مخفی نہیں ہے۔ فافہم۔

اعتراض ہشتم: ضلال کے معنیٰ دین میں گمراہی کے ہیں۔ لہٰذا حضور جو امور لکھوانا چاہتے تھے۔ وہ ضروریات دین سے شمار ہونے چاہئیں۔ جیسا کہ لن تضلوا بعدی سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔

جواب: یہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ جو امور حضور لکھوانا چاہتے تھے۔ وہ دین کے ایسے بنیادی احکام نہ تھے۔ جن کے بغیر دین ناقص یا نامکمل رہ جاتا تو اس سے لن تضلوا کے معنیٰ بھی متعین ہو گئے۔ کہ یہاں ضلال کے معنیٰ دین میں گمراہی کے نہیں ہیں یعنی حضور کا یہ فرمانا کہ ـــ "لاؤ تمہیں ایسی تحریر لکھ دوں کہ جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے"۔ اس کا یہ مطلب ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا کہ جو امور آپ لکھوانا چاہتے تھے وہ دین کے ایسے بنیادی احکام یا عقائد تھے کہ جن پر امت کی ہدایت یا گمراہی موقوف تھی۔ حضور کے ارشاد کا یہ مطلب لینا آیت قرآنی کی صریح تکذیب ہے۔ کیونکہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم نے تو دین کی تکمیل و اتمام کا اعلان واقعہ قرطاس سے تین ماہ قبل کر دیا تھا اور امت کی ہدایت و گمراہی کے جس قدر امور تھے وہ سب بیان ہو چکے تھے۔ لہٰذا دین کی تکمیل و اتمام کے بعد حضور کے ارشاد کا یہ مطلب کیسے ہو سکتا ہے کہ جو امور آپ لکھوانا چاہتے تھے اس پر امت کی ہدایت یا گمراہی موقوف تھی۔ لہٰذا ضلال کے معنیٰ یہاں دین میں گمراہی کے نہیں ہو سکتے۔ خود لفظ ضلال قرآن پاک میں متعدد معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اور ہر مقام پر سیاق و سباق اور دلائل شرعیہ کو سامنے رکھ کر معنیٰ متعین کیے جاتے ہیں لہٰذا یہاں بھی ایسا ہی کرنا پڑے گا۔ برادران یوسف نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق کہا۔ اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْن ـ ہمارا باپ صریح

کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر حضرت عمر کا نام لیا گیا تو حضرت علی پر بھی وہی اعتراض پڑے گا۔ اس لئے وہ عوام کو فریب دینے کے لئے ہر جگہ اور ہر طعن کے موقع پر صرف حضرت عمر کا نام لیتے ہیں تاکہ عوام اس غلط فہمی میں مبتلا ہوں کہ واقعہ قرطاس کا تعلق صرف حضرت عمر سے ہے۔ مگر حضرت عمر پر اللہ کا فضل و کرم ہے کہ حدیث قرطاس کے الفاظ حضرت عمر پر کسی الزام کو قائم ہی نہیں ہونے دیتے اہل تشیع سنی دونوں کو تسلیم ہے۔ کہ حاضرین مجلس میں حضرت عمر بھی تھے اور حضرت علی بھی تھے۔ چنانچہ واقعہ قرطاس میں یہ لفظ موجود ہے۔ فتنازعوا۔ وہ آپس میں جھگڑ پڑے جس سے ظاہر ہے کہ حاضرین مجلس آپس میں جھگڑے۔ اسی طرح قوموا عنی کا صیغہ بھی جمع کا ہے جس کے مخاطب بھی تمام حاضرین مجلس ہیں۔ لہذا جو الزام حضرت عمر پر قائم کیا جائے گا وہی تمام حاضرین پر آئے گا جس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریک ہوں گے۔

یہ تو ہے الزامی جواب۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضور کا قوموا عنی فرمانا یا تو ازراہِ نصیحت تھا جس کی تائید لاینبغی کا لفظ بھی کر رہا ہے۔ یا رفع تکدر صحابہ کے لئے تھا یا بسبب علالت طبع کے تھا۔ جو کسی کے حق میں بھی محل طعن نہیں بن سکتا۔ اگر اس کو محل طعن بنایا جائے گا تو حضرت علی بھی نہیں بچیں گے۔

ثانیاً:۔ واقعہ قرطاس کی روایت میں مذکور ہے کہ حضور علیہ السلام نے رفع اصوات کے موقع پر دعونی فرمایا یعنی مجھے چھوڑ دو (کیونکہ اب میں نے کتابت تحریر کا ارادہ ترک فرما دیا ہے) اسی طرح ذرونی اور قوموا عنی کا لفظ بھی آیا ہے۔ لہذا حسب قاعدہ یہاں قوموا عنی کے معنیٰ دعونی کے

باتوں میں سے کوئی ظہور میں نہیں آئی نہ حضور کی آواز پر کسی نے اپنی آواز کو بلند کیا ہے نہ حضور کو ایسے مخاطب کیا جیسے عام لوگوں کو مخاطب کیا جاتا ہے۔ پھر اعتراض کیسا؟

ثانیاً — قرآن نے حضور کی آواز پر اپنی آواز بلند کرنے کی ممانعت کی ہے۔ لیکن حضور کے سامنے "مطلقاً" بلند آواز سے بولنے کی نہ ممانعت کی ہے اور نہ اس کو بے ادبی قرار دیا ہے چنانچہ ایسا ہوتا تھا کہ حضور کی موجودگی میں کوئی سائل آتا اور بلند آواز سے سوال کرتا۔ جنگوں میں نعرے لگائے جاتے تھے۔ صحابہ کرام بحضور نبوی آپس میں مسائل دینیہ پر بحث کرتے تھے۔ کیا یہ بے ادبی تھی؟ اگر نہیں تو واقعہ قرطاس میں جو آواز بلند ہوئی وہ بے ادبی کیسے ہو گی؟ اور یہ تو حدیث قرطاس کے الفاظ سے بالکل صاف طور پر واضح ہو رہا ہے کہ حضور کی آواز پر حاضرین مجلس میں سے کسی نے آواز بلند نہیں کی اور نہ کسی نے حضور کو مخاطب بنایا۔ حضور تو خاموش تھے۔ البتہ حاضرین اپنی اپنی رائے کا اظہار کر رہے تھے۔ اور اختلاف کی وجہ سے بلا قصد و ارادہ اتفاقاً آوازیں بلند ہو گئی تھیں۔ مگر یہ رفع صوت وہ نہ تھا جس کی قرآن نے ممانعت کی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ بحضور نبوی آپس میں جھگڑ پڑنا مناسب نہ تھا۔ یعنی ترک اولیٰ تھا۔ اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ چنانچہ لا ینبغی کا لفظ بھی یہی ظاہر کر رہا ہے۔

اعتراض هفتم: حضرت عمرؓ کے جھگڑا کرنے کو حضور نے ناپسند فرمایا۔ جبھی تو فرمایا قُومُوا عَنِّیْ؟

جواب: شیعوں کی شرافت دیکھیے کہ قصہ قرطاس میں صرف حضرت عمر کا نام لیتے ہیں اور باقی حاضرین مجلس کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

ضلال میں ہے۔ ظاہر ہے کہ برادران یوسف کافر نہ تھے جو اپنے والد کرم کو دین میں گمراہ قرار دیتے۔ ان کا اس جملہ سے مطلب یہ تھا کہ یوسف و بنیامین کیسے حضرت یعقوب بہت محبت کرتے ہیں۔ حالانکہ ہم یوسف سے زیادہ طاقتور اور قابل ہیں۔ تو یہ ہمارے والد کی سوء تدبیری ہے کہ وہ ہم سے زیادہ یوسف کو چاہتے ہیں۔ غرضیکہ اس آیت میں ضلال کے معنیٰ دین میں گمراہی کے نہیں بلکہ سوء تدبیر کے ہیں تو اس طرح مذکورہ بالا دلائل شرعیہ کی بنا پر یہاں بھی ضلال کے معنیٰ دین میں گمراہی کے نہیں لئے جائیں گے۔ غرضیکہ لغت عرب میں جیسے ضلال دینی گمراہی کے معنیٰ میں آتا ہے۔ اس طرح دنیوی امور میں سوء تدبیری کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے۔ فافہم منہ۔

اعتراض نمبر: حضرت عمر نے چاہے حضور کے منشا کو سمجھ کر ہی حسبنا کتاب اللہ کہا مگر انہوں نے حضور کے حکم کو تو بہر حال رد کر دیا۔

جواب: جب آپ یہ بات مان رہے ہیں کہ حضرت عمر حضور کے حکم کی توعیت کو سمجھ گئے تھے تو ایسی صورت میں اس کو رد حکم کیسے قرار دیا جا سکتا ہے اگر اس قسم کے امور کو بھی رد حکم قرار دیا جائے گا۔ تو پھر تو حضرت علی پر بھی حکم رسول کو رد کرنے کا الزام قائم ہو سکتا ہے۔

ا۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام ایک رات حضرت علی کے گھر تشریف لے گئے۔ ان کو خواب گاہ سے اٹھایا اور نماز تہجد کی پابندی کی تاکید فرمائی۔ اس پر حضرت علی نے کہا وَاللّٰہِ لَا نُصَلِّیْ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا۔ خدا کی قسم ہم ہرگز نماز ادا نہیں کریں گے مگر جو کچھ اللہ نے ہم پر فرض کیا ہے۔ وَاِنَّمَا اَنْفُسُنَا بِیَدِ اللّٰہِ اور ہمارے دل خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ اگر نماز تہجد کی توفیق دیتا تو پڑھتے۔ جب

حضور نے حضرت علی کا یہ جواب سنا تو حضور ران پر ہاتھ مارتے ہوئے ان کے مکان سے واپس لوٹے فرماتے تھے۔ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا۔ کہ انسان سب سے زیادہ جھگڑا کرنے والا ہے۔

دیکھیے حضور علیہ السلام نے نماز تہجد کی تاکید فرمائی۔ اور حضرت علی نے کیا جواب دیا۔ اسی کو اگر کوئی خارجی لے اڑے تو بات کا بتنگڑ بنا کر حضرت علیؓ پر بے شمار سنگین الزام قائم کر سکتا ہے۔ خیر یہ تو بخاری کی حدیث ہے۔ اب شیعہ کی روایت سنئے۔ جو محمد بن بابویہ نے امالی میں اور دیلمی نے ارشاد القلوب میں روایت کی ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے حضرت فاطمہؓ کو سات درہم دیئے۔ اور فرمایا کہ علی کو حکم دینا کہ اس رقم سے اپنے اہل کے لئے غلہ خرید لے۔ کیونکہ ان پر بھوک غالب ہے۔ حضرت فاطمہ نے وہ درہم علی کو دیئے اور فرمایا رسول خدا نے حکم دیا ہے۔ کہ اس رقم سے ہمارے لئے غلہ خرید۔ حضرت علی وہ درہم لے کر باہر نکلے۔ راستہ میں ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ کون ہے جو خدا کو وعدہ پر قرض دے۔ حضرت علیؓ نے وہ درہم قرض دے دیے۔ اس قسم کے متعدد واقعات شیعہ وسنی دونوں کی کتابوں میں موجود ہیں۔ جن پر اگر حق پوشی کر کے تبصرہ کیا جائے۔ تو جناب علی مرتضیٰ پر متعدد سنگین الزامات قائم ہو جائیں۔ اسی واقعہ کو لیجیے کہ حضور اکرم نے تو وہ درہم حضرت فاطمہ وحسنین کریمین پر خرچ کرنے کے لئے دیئے تھے۔ مگر جناب علی نے حضور کے حکم کی پرواہ نہ کی۔ اپنے عیال کی حق تلفی کی۔ مال غیر میں تصرف کیا اور فاطمۃ الزہرہ وحسنین کریمین کو بھوکا رکھ کر حضور کو رنج پہنچایا۔ لیکن چونکہ یہ سب کچھ خلوص اور ایثار کے ماتحت تھا۔ اور حضرت علی جانتے تھے کہ میرے اس ایثار کو نہ صرف فاطمہؓ

بلکہ حضور اکرم بھی پسند فرمائیں گے۔ اس لئے ان کے حق میں ان کا یہ عمل وجہ طعن نہ بنا۔ اور نہ کسی نے ان کے اس عمل کو ردِ حکم رسول قرار دیا تو اسی طرح سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی حضور کے حکم کو رد نہیں کیا۔ بلکہ حضور سے انتہائی محبت والفت کا مظاہرہ کیا۔ اور جب تکلیف کی حالت میں حضور نے تحریر لکھوانی چاہی تو جناب فاروق اعظم نے حضور کی تکلیف کا خیال کر کے حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ حضور اس وقت تکلیف میں ہیں لہٰذا ایسی حالت میں آپ کو تحریر کی تکلیف کیوں دی جائے۔ غور کیجئے یہ ردِ حکم ہے یا حضورِ اقدس کی ذات مقدس کو آرام پہنچانا ہے۔ چنانچہ ایک دوسرے کے سامنے امور مصلحت کو پیش کرنا یا مشورہ دینا صحابہ کرام اور حضور علیہ السلام کے درمیان ہمیشہ سے ایک معمول بطریقہ رہا ہے۔ پس اس واقعہ میں جناب عمر پر ردِ حکم کا الزام رکھنا انتہائی کج فہمی پر مبنی ہے۔

پندرہ روزہ رضوان لاہور

اہلسنت وجماعت کا مذہبی ترجمان۔ ہر ماہ دو مرتبہ پابندیٔ وقت کے ساتھ جاری ہے۔ دینی۔ مذہبی معلومات کے لئے اس کا مطالعہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ تفسیر القرآن۔ جواہر پارے۔ نجار دگل۔ سوال وجواب۔ ترجمہ احادیث۔ بخاری شریف کی شرح اور دیگر مذہبی۔ اسلامی۔ روحانی۔ تاریخی مضامین اس کے مستقل عنوان ہیں۔ چندہ سالانہ چھ روپے۔ ششماہی تین روپے آٹھ آنے۔

چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیج کر رسالہ اپنے نام جاری کرالیجئے۔ یا وی پی کے لئے

پیسہ: دفتر رسالہ رضوان اندرون دہلی دروازہ لاہور

مکالمہ رضوی و گوجروی

اس کتابچہ میں مشہور شیعہ مبلغ مولوی اسمٰعیل گوجروی و حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی مدیر اعلیٰ رضوان کے درمیان ایمانِ صحابہ و عدالت صحابہ کے عنوان پر دلچسپ تحریری مباحثہ کی روئداد درج ہے۔ حضرت مدیر اعلیٰ نے ان تمام آیتوں کا صحیح مفہوم پیش کیا ہے جنہیں مولوی گوجروی نے صحابہ کے خلاف پیش کیا تھا۔ اور حضرات شیعہ کی معتبر مذہبی کتب کے حوالوں سے گوجروی اعتراضات والزامات کے دندان شکن جواب دیئے ہیں۔

قیمت : ۱۰ - آنے

بیعت رضوان

اس کتابچہ میں بیعتِ رضوان کے عنوان پر شیعہ دار التبلیغ گوجرہ کے رکن مولوی خادم حسین اور حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی کے درمیان تحریری مناظرہ کی روئداد درج ہے۔ مدیر رضوان نے آیت لقد رضی اللہ عن المؤمنین پر مدلل بحث کرتے ہوئے صحابہ کرام اور خصوصاً اصحابِ ثلاثہ کا مومن و مخلص مسلمان اور اللہ تعالیٰ نے ان سے راضی ہونا ثابت کیا ہے۔ اور خادم صاحب کے اعتراضات کا مسکت جواب دیا ہے۔ نیز خادم صاحب نے خیبر و حنین و خندق وغیرہ غزوات میں صحابہ کرام کے فرار ہونے اور عہد توڑنے کے جو واقعات پیش کئے ہیں۔ ان کا مکمل جواب شیعوں کی معتبر مذہبی کتب کے حوالوں سے دیا ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے۔ کہ صحابہ کرام اور خصوصاً اصحاب ثلاثہ کسی بھی غزوہ میں نہیں بھاگے۔ اور ہر معرکہ میں ثابت قدم رہے۔ قابل مطالعہ کتاب ہے

قیمت : ۱۰ - آنے

ملنے کا پتہ : **مکتبہ رضوان** اندرون دہلی دروازہ لاہور

باغِ فدک

اس کتابچہ میں بڑی شرح سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ انبیاء کرام کا مالی ترکہ ان کے ورثہ میں تقسیم نہیں ہوتا۔ اور اس سلسلہ میں حضراتِ شیعہ حضرت صدیقِ اکبرؓ پر فدک غصب کرنے اور سیدہ فاطمہ کو میراثِ نبوی سے محروم کر دینے کا جو الزام لگاتے ہیں اور جس قدر اعتراضات و شبہات پیش کرتے ہیں۔ سب کا مدلل و مسکت جواب شیعوں کی معتبر مذہبی کتب کے حوالوں سے دیا گیا ہے۔ اس رسالہ کا ہر سنی مسلمان کے گھر میں ہونا ضروری ہے۔

قیمت : ۱۰۔ آنے

اسرارِ مذہب شیعہ اوّل و دوم

شیعہ مذہب کی حقیقت اور انکے عقائد و اعمال معلوم کرنے کیلئے اس کتابچہ کا مطالعہ ضرور کیجئے اس میں متعہ۔ تقیہ۔ لف حریر۔ سور بال کی رسی۔ ماتم۔ ابو حنیفہ شیعی۔ پاخانہ کی روٹی اور جنت خلافِ وضع فطری عمل کا ثواب ہیں امام حسین کا درجہ ملنا۔ متعہ و نکاح کے بغیر عورت کا حلال ہونا وغیرہ ذالک مسائل پر حضرت مدیر رضوان و شیعہ اخبار رضا کار لاہور کے درمیان نہایت ہی دلچسپ مباحثہ کی روئداد درج ہے۔ اور شیعی کتب کے ایسے ایسے حوالے دیئے گئے ہیں۔ جنکو پڑھ کر آپ دنگ رہ جائیں گے۔

قیمت : حصہ اول ۴۔ آنے۔ حصہ دوم ۴۔ آنے

حضورؐ کی نمازِ جنازہ

شیعوں کے اس الزام کا جواب کہ صحابہ نے حضورؐ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی ! اس کتابچہ میں شیعی کتب کے حوالوں سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ تمام صحابہ کرام انصار و مہاجرین نے حضور کی نماز جنازہ میں شرکت کی۔ اسی ضمن میں وفاتِ نبوی کا مختصر حال بھی درج ہے۔ قیمت ؛ ۳۔ آنے

ملنے کا پتہ : **مکتبۂ رضوان** اندرون دہلی دروازہ لاہور

کتاب خصائصِ مصطفےٰ

حضرت مولانا سیّد محمود احمد رضوی مدیر رضوان کی حسین و جمیل اور متبرک تالیف

جس میں حضور سیّد المرسلین، خاتم النبیین، سیّدِ عالم، نورِ مجسم، احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کا حلیہ مبارک اور سرِ اقدس سے لے کر قدمِ پاک تک کے خصائص، فضائل، برکات وحسنات اور آپ کا حسین و جمیل سراپا، مقدس مستند و معتبر روایات و احادیث سے اخذ کر کے درج کیا گیا ہے اور آپ کے ایک ایک عضوِ مبارک کے اوصافِ حمیدہ و معجزاتِ جمیلہ کی تصویر کھینچ دی گئی ہے۔ یہ کتاب واعظوں کے لیے سرمایہ اور عاشقوں کے لئے سکونِ قلب ہے۔

کتابت وطباعت عمدہ ٹائیٹل رنگین۔ **قیمت ایک روپیہ محصول ڈاک چھ آنہ**

جامعُ الصّفات

حضرت مدیر رضوان کی دوسری ایمان افروز تالیف

جس میں حضور رحمتِ عالم، نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و مناقب معجزات و کرامات کو ایک اچھوتے انداز میں پیش کیا گیا ہے اور آپ کے جامعِ جمیع کمالاتِ اولین و آخرین ہونے پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ اِس کتاب میں سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت مسیح کلمۃ اللہ تک مشاہیرِ انبیاء کے معجزات و کرامات پر تبصرہ ہے اور موازنہ و مقابلہ کر کے یہ دِکھایا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام جامع الصفات ہیں بزرگی، معجزات و کرامات سب سے زیادہ تفوق و برتری کے مالک ہیں۔ یہ کتاب معجزا[illegible] نہایت ایمان افروز مضامین پر مشتمل ہے۔

کتابت وطباعت عمدہ۔ ٹائیٹل رنگین۔ **قیمت عہ ۱۲ / محصول ڈاک ۸**

ملنے کا پتہ مکتبۂ رضوان لاہور

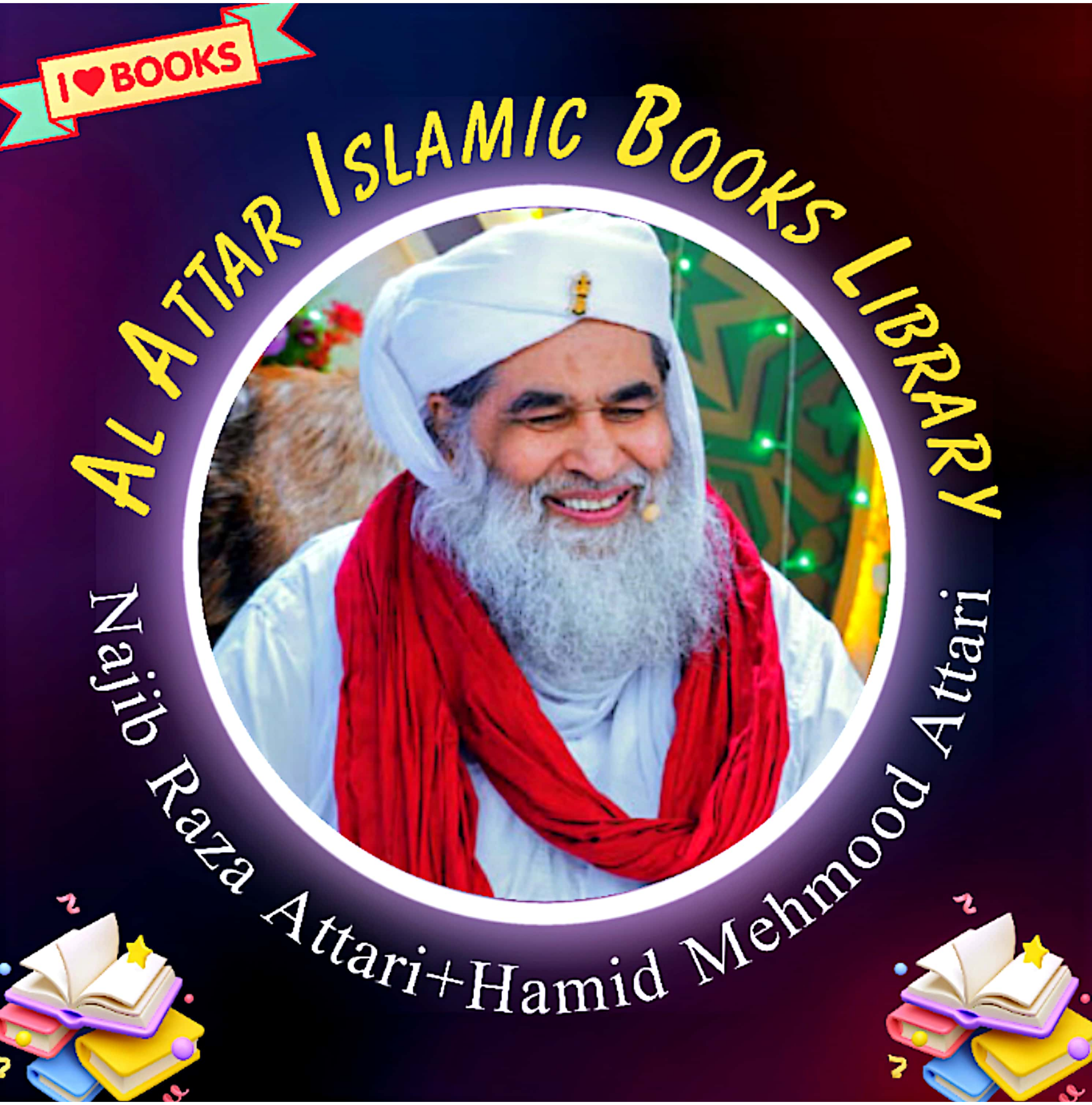
I ❤ BOOKS
Al Attar Islamic Books Library
Najib Raza Attari+Hamid Mehmood Attari

TAHIR ONLINE
QURAN
ACADEMY
"Amazing Academy For Your Kids"
Register your child now, provide the best education and training for your child.
ENROLL NOW
AWESOME ACADEMY FACILITIES :
One on one class
Class duration 30 minutes
Flexible days & time
(3) days Free Trial classes
Qualified Teachers.
Appropriate fees
Call & Whattsap For Registration
+923066563523
For More Information
TahirOnlineQuranAcadmy
TAHIR ONLINE

TAHIR ONLINE
QURAN ACADMY